# مغرب اور اسلام: باہمی تعارف و تخالف کی مختصر تاریخ

# Islam and the West: A brief History of Mutual Interaction and Conflict

ڈاکٹر محمد شہباز منج*

ڈاکٹر صائمہ شہباز منج**

## ABSTRACT

Islam and the West is a common term generally used for the two different and notable civilizations of the World. Most of the people are actually not aware of the real connotation and perspective of this term and of mutual interaction and encounter of the two. This paper studies the historical contact of Islam and the west and gives a comprehensive account on the subject. It finds that the interaction of Islam and the West was and has been inimical and uncongenial. The real cause of this hostility is the irrefutable and indefensible historical prejudices of the West against Islam and Muslims. To perish this mutual repugnance west will have to bring itself out from this bias. However some of the present day Muslims, who have taken on aggressive approaches and attitudes towards the west, also have to bring themselves out from their unislamic lookouts and acts.

**Keywords**: *Islam and the West, historical interface, uncongenial, historical prejudices of the West.*

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی و عربی علوم، یونی ورسٹی آف سرگودھا

** پی ایچ ڈی شعبہ اسلامی و عربی علوم یونی ورسٹی آف سرگودھا

عصر حاضر میں دنیا کی دو مختلف اور نمایاں ترین تہذیبوں، ان کے نظریات و افکار، ان کے باہمی تعارف و تخالف، ان کے ماضی، حال اور مستقبل سے متعلق دیگر تہذیبوں کے مقابلے میں دنیا کی نقشہ گری میں غیر معمولی کردار کے حوالے سے مغرب اور اسلام کی اصطلاح عام استعمال کی جاتی ہے، لیکن اکثر لوگ اس ضمن میں بہت ہی ادھوری اور ناقص معلومات رکھتے ہیں۔ اسلام کا دین و مذہب ہونا معلوم و معروف ہے، مگر جب اس کے مقابلے میں مغرب کا لفظ بولا جاتا ہے، تو ایک عجیب سا مخمصہ پیدا ہو جاتا ہے کہ مغرب اسلام کے مقابلے میں موجود کوئی مذہب ہے یا اسلام مغرب کے مقابل وجود رکھنے والا کوئی کلچر؟ مغرب و مشرق کے اہل علم و تحقیق جب یہ اصطلاح استعمال کرتے ہیں، تو ان کی مراد فی الواقع کیا ہوتی ہے اور اس وقت ان کے ذہن میں اسلام اور مغرب کا کیا تصور اور پس منظر ہوتا ہے؟ مغرب اور اسلام کے تعارف و تخالف کی تاریخ کیا ہے اور اس کے اسباب کیا؟ ان سطور میں زیرِ نظر موضوع کے تناظر میں تحقیق کرنے والوں اور مغرب اور اسلام کی اصطلاح کے ضمن میں ابہام کا شکار متلاشیانِ علم کو ایسے سوالات کے تحقیقی مگر عام فہم جوابات فراہم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

**مغرب کا تعارف**

عربی اور اردو لغات کے اعتبار سے مغرب کے معنی ہیں: پچھم، سورج غروب ہونے کا مقام، چار جہات میں سے ایک اور مشرق کی مخالف سمت۔[1] لفظ مغرب کا انگریزی متبادل لفظ ویسٹ (West) بھی لغتاً یہی معنی رکھتا ہے۔[2] ہے۔[2] جغرافیائی لحاظ سے لفظ ویسٹ (West) کا اطلاق بحر روم کے شمال میں واقع مغربی یورپ[3] ممالک پر ہوتا ہے۔ مشرق و مغرب (East and West) کا تصور بنیادی طور پر قدیم سلطنتِ روما میں سامنے آیا۔[4] اس سلطنت

---

۱۔ دیکھیے: ابن منظور، لسان العرب (بیروت: دار احیا التراث العربی، ۱۹۹۹ء/۱۴۱۹ھ) ۱۰/۳۱؛ مولوی سید احمد دہلوی، فرہنگِ آصفیہ (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو، سن ن)، ۴/۳۷۶۔

۲۔ Oxford University press, "Oxford Dictionaries," Accessed June 30, 2014.
http://www.Oxforddictionaries.com/definition/english/west.

۳۔ یورپ یوریشیا کے مغرب میں واقع علاقے کو کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا کے سات مشہور براعظموں میں سے ایک ہے۔ یورپ کے شمال میں بحر منجمد شمالی، جنوب میں بحر روم، جنوب مشرق میں بحر روم اور بحر اسود کو ملانے والے آبی راستے اور کوہ قفقاز، مغرب میں بحر اوقیانوس، اور مشرق میں کوہِ یورال اور بحر قزوین واقع ہیں۔ کوہِ یورال اور بحر قزوین یورپ اور ایشیا میں حد فاصل ہیں۔

۴۔ Robert Bideleux and Ian Jafferies, *A history of Eastern Europe: crisis and change* (London: Routledge, 1998), 48.

میں خطۂ یورپ مشرقی اور مغربی حصوں میں منقسم تھا؛ جن کے وسط میں سلطنت کا پایۂ تخت روم واقع تھا۔ مغربی یورپ میں لائبیریا (پرتگال اور سپین)، گال (فرانس)، شمالی افریقہ کے سواحلِ بحر روم (تیونس، الجیریا، مراکو) اور برطانیہ شامل تھے اور مشرقی یورپ میں یونان، اناطولیہ، شام اور مصر۔ یہ تقسیم انتظامی و سیاسی کے ساتھ ساتھ لسانی و ثقافتی نوعیت کی بھی تھی۔ مغربی علاقہ بحر روم کے مغربی کنارے پر واقع تھا اور اس کے باشندوں کی زبان لاطینی تھی جب کہ مشرقی علاقہ بحر روم کے مشرقی کنارے پر واقع تھا اور اس کے باسی یونانی بولتے تھے۔ یہ تقسیم آگے چل کر زیادہ گہری اور مستقل ہوتی گئی۔ سلطنتِ روما میں عیسائیت کی ترویج اور پھر عیسائیت کی دو حصوں - رومن کیتھولک اور ایسٹرن آرتھوڈاکس - میں تقسیم، اور بعد ازاں مسلم سلطنتِ عثمانیہ کے ہاتھوں مشرقی علاقے کی فتح نے خطۂ یورپ میں مشرق و مغرب کے امتیاز کو اور گہرا اور وسیع کر دیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ نشاۃ ثانیہ (Renaissance)، پروٹسنٹ تحریکِ اصلاح (Protestant Reformation Movement)، تحریکِ تنویر (Age of Enlightenment)، رومانی تحریک (Romantic Movement) اور سائنسی دریافتوں (Scientific Discoveries) وغیرہ کے نتیجے میں مغربی یورپ مشرقی یورپ سے بہت آگے نکل گیا۔ اس نے اپنا ایک الگ، نمایاں اور نہایت متاثر کن تشخص پیدا کیا اور اپنی ترقیوں اور زور و قوت کے بل پر افریقی، ایشیائی اور امریکی علاقوں پر قبضہ کر کے ان میں اپنی نو آبادیاں قائم کر لیں۔ مغرب کی ان ترقیات اور غلبے نے ایک تہذیب اور کلچر کو جنم دیا، جو مغربی تہذیب یا مغربی کلچر یا صرف مغرب کہلایا۔ مغرب اور مغربی تہذیب متذکرہ صدر تحریکات کے ساتھ ساتھ یونانی تہذیب اور بالخصوص رومی تہذیب اور عیسائیت کے بھی مرہونِ منت ہیں۔ اس ضمن میں عیسائیت کے عمل دخل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود مغربی مورخین مغرب کو پوپ کی مذہبی و روحانی سلطنت سے تعبیر کرتے ہیں۔[1] پروفیسر جیمز کورتھ (James Kurth)[2] نے مغربی تہذیب کو قدیم یونانی و رومی، مسیحی اور جدید روشن خیالی کی روایات سے عبارت قرار دینے کو مغربی ماہرین کا عام تسلیم شدہ نظریہ بتاتے ہوئے لکھا ہے:

> Among scholarly interpreters of the West, it has been widely understood that Western civilization was formed from three distinct traditions: (1) the classical culture of Greece and Rome; (2) the Christian

---

[1] See for details: Arnold J. Toynbee, *A study of history* (London: Oxford, ND) 1/12-34;

[2] پروفیسر کورتھ امریکی ریاست پنسلوانیا (Pennsylvania) کے سواتھ مور کالج (Swarthmore College) میں دفاع، خارجہ اور بین الاقوامی امور سے متعلق تدریس کے فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔

religion, particularly Western Christianity; and (3) the Enlightenment of the modern era.[1]

ویسٹ کی محققانہ تعبیرات میں عام طور پر یہی سمجھا گیا ہے کہ مغربی تہذیب تین امتیازی روایات سے وجود پذیر ہوئی ہے:(۱)یونان اور روم کا قدیم کلچر؛(۲) مسیحی مذہب، بالخصوص مغربی مسیحیت؛(۳)جدید روشن خیالی۔

## مغرب اور اسلام:اصطلاح اور اس کی حقیقت

اگرچہ بنیادی طور پر تو، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، مغرب مغربی یورپ کے ممالک سے عبارت تھا، لیکن جب اس نے دنیا میں اپنا گہرا اور غیر معمولی اثرورسوخ اور وسیع اقتدار حاصل کر لیا، تو اس کے بہت سے زیر اثر و اقتدار علاقے بھی مغرب کہے جانے لگے۔ اب لفظ مغرب ایک اصطلاح کے طور پر مغرب کے مذکورہ خطے کے علاوہ ان بہت سے دیگر ممالک کے لیے بھی عام استعمال ہونے لگا، جن پر مغرب نے قبضہ کیا اور جہاں اس نے اپنی نو آبادیاں بنائیں اور اپنی تہذیبی و ثقافتی اقدار کو رواج دیا۔ مختلف علاقوں کے مغربی بن جانے کے سیاسی واستعماری اور عسکری و جنگی اسباب بھی تھے، جو عالمی جنگوں اور اشتراکیت و سرمایہ دارانہ نظاموں میں سرد جنگ کے نتیجے میں ان کے مشرقی یا سویت یار شین بلاک کے مقابلے میں مغربی یا امریکی بلاک کی حمایت وغیرہ سے عبارت ہیں۔ جن علاقوں میں مغرب اور اس کے نسلی و ثقافتی اثرات زیادہ تھے، وہ رفتہ رفتہ حقیقی یا معنوی اعتبار سے مغرب بنتے گئے۔ مغرب بہ طورِ اصطلاح کے ضمن میں یہ بات بھی پیش نگاہ رہنا چاہیے کہ مغرب اور اس کی تہذیب کے تشکیلی مراحل میں چونکہ عیسائیت کا بھی نمایاں حصہ رہا ہے، نیز عیسائیت عالمِ مغرب کا غالب مذہب ہے، اس لیے مغرب اور عیسائیت یا عالمِ مغرب اور عالمِ عیسائیت کے الفاظ مترادفات کے طور پر بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔

جہاں تک موجودہ مغرب کے ضمن میں علاقوں اور خطہ ہائے زمین کا تعلق ہے، تو مغرب کا اطلاق مغربی یورپی ممالک اور امریکہ پر ہوتا ہے۔ سیاسی اور سٹریٹجک تناظر میں آج کل مغرب کے حوالے سے بنیادی اور قائدانہ کردار امریکہ کا ہے؛ اور یہ سرد جنگ میں امریکہ کے مغربی بلاک کے سالار کی حیثیت سے فتح یاب ہونے، روس

---

۱۔ James Kurth, "Western Civilization, Our Tradition," Accessed March 24, 2014.http://www.mmisi.org/ir/39_01_2/kurth.pdf

Also see: jameskurth, "America and the West: Global Triumph or Western Twilight?" *Orbis volume 45, issue 3*(Summer 2001), 333-341.

کے امریکہ کے مقابلے کی عالمی طاقت کے مقام سے گرنے اور امریکہ کے واحد عالمی طاقت کے طور پر سامنے آنے کا نتیجہ ہے۔ اہلِ اسلام اور اسلامی ومشرقی تہذیبی حوالے سے دیکھیں تو مغرب سے وہ تمام خطے اور ممالک مراد ہیں جو مغربی تہذیب و ثقافت کا گہوارہ ہیں اور جہاں اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے حوالے سے حریفانہ و مخاصمانہ نوعیت کے جذبات واحساسات اور تحریکات وزاویہ ہائے نظر کی بہتات ہے۔ یہاں تک کے وہ ممالک جو جغرافیائی اور سیاسی نوعیت کی جدید تقسیمات میں مشرق یا ایشیا میں آتے ہیں، بھی مغرب شمار کر لیے جاتے ہیں۔ اسلام سے متعلق لکھنے والے بہت سے لوگوں کو بہت دفعہ محض اس لیے اہلِ مغرب یا مغربی اہل قلم قرار دے دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام سے متعلق مخالفانہ ومخاصمانہ تحریرات پیش کرتے یا ایسے ملک اور ماحول سے متعلق ہیں، جہاں اسلام کے بارے میں اس نوعیت کا ماحول غالب ہے، یا عام طور پر غالب خیال کیا جاتا ہے، حالانکہ ان کا روایتی مغرب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ عصرِ حاضر کے اسرائیل وغیرہ ممالک کے یہودی وغیر یہودی اہلِ قلم کو اسی تناظر میں مغرب سے جوڑا جاتا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں اگرچہ سخت مخالفت و مخاصمت رہی ہے، لیکن اسلام اور مسلمانوں سے متعلق رویے کے معاملے میں ان کے درمیان توافق و تعاون کی فضا قائم ہوگئی۔ چنانچہ مغرب اور مسیحیت کی جانب سے اسلام مخالف سرگرمیوں میں یہودیوں نے بھرپور کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اسلام پر کام کرنے والے مغربی اہلِ قلم کی فہرست میں خالص اور روایتی مغربی اور مشرقی مسیحی اہلِ قلم کے ساتھ ساتھ مشرقی یہودی اہل قلم کو بھی شمار کرتے ہیں۔

گو دیگر ممالک، جہاں کی غالب آبادی غیر مسلم ہے، مثلاً ہندوستان وغیرہ یا ان کے باشندے مغرب کے مقابلے میں اپنی الگ تہذیبی شناخت ظاہر کرتے یا اس کی خواہش رکھتے ہیں، لیکن بالعموم مشرق و مغرب یا مشرقی و مغربی تہذیب کے الفاظ مغرب اور دیگر غیر مسلم معاشروں یا تہذیبوں کے لیے استعمال نہیں ہوتے؛ بلکہ مغرب اور اسلام یا مغرب اور مسلم معاشروں یا ہر دو کی تہذیب و ثقافت کے اظہار کے لیے بولے جاتے ہیں۔ مغرب والوں کے نزدیک مذہبِ اسلام اور اسلامی معاشرے اسلام ہیں؛ جب کہ اہلِ اسلام کے مطابق مغرب اور اس کی ثقافت و اقدار مغرب ہیں۔ اہلِ اسلام مغرب کے عنوان سے مغرب کے مذہب اور تہذیب و ثقافت کو زیر بحث لاتے ہیں، جب کہ مغرب والے اسلام کے عنوان سے مسلمانوں کے مذہب اور ان کے قدیم و جدید معاشروں کی تہذیب کو موضوعِ بحث بناتے ہیں۔ مغربی عرف کے مطابق زیر بحث تناظر میں بہ طورِ اصطلاح مغرب سے مراد مغرب اور اس کی تہذیب و ثقافت، اس سے متعلق ممالک اور افراد و اقوام، مسیحیت اس کے حاملین اور ان کے ہم نوا و ہم نشیں اور

اسلام اور اس کے ماننے والوں کے متوازی تہذیب و ثقافت ہے، خواہ وہ مغربی یورپ اور امریکہ سے متعلق ہو یا نہ ہو، اور اسلام سے مراد مذہبِ اسلام اور وہ خطے ہیں جن میں اسلام کو زیادہ فروغ حاصل ہو اور جہاں مسلمان اکثریت یا خاصی تعداد میں ہیں۔ اور یہ صورتِ حالات چونکہ بہ طورِ خاص ایشیا اور مشرقی ممالک سے متعلق ہے، اس لیے ان علاقوں اور ان کی تہذیب و ثقافت کو اہلِ مغرب اسلام سے تعبیر کر لیتے ہیں۔

مغرب اور اسلام کی اصطلاح کے ضمن میں اوپر کی بحث کے حوالے سے یہ حقیقت پیش نظر رکھنے کی ہے کہ مسلمان اہلِ مغرب کے اسلام کو مذکورہ صدر مفہوم میں استعمال کو درست تصور نہیں کرتے۔ ان کا موقف ہے کہ اسلام -جو کہ مذہب ہے- کو موجودہ مسلم معاشروں سے الگ کر کے دیکھنا چاہیے، کیوں کہ اس صورت میں مسلم معاشروں کے معائب اسلام کے کھاتے میں ڈالنے کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ چناں چہ مغربی عرف میں اسلام کے مذکورہ مفہوم میں استعمال پر خود بعض جدید مغربی اہلِ قلم بھی حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔[۱] تاہم اس کا استعمال ہو رہا ہے اور ضرورت کے وقت اس بات کا لحاظ بھی رکھ لیا جاتا ہے کہ بات صرف مذہبِ اسلام اور اس کے مصادر اور تصورات و نظریات سے متعلق ہے، یا دنیائے اسلام سے متعلق، اور اہلِ مغرب بھی متعلقہ موضوع پر مسلم مفہوم میں بحث و گفت گو کو تیار ہو جاتے ہیں۔

**مغرب اور اسلام: باہمی تعارف و تصادم کی مختصر تاریخ**

جیسا کہ اوپر کی بحث سے واضح ہے مغرب، اس کی تہذیب اور عیسائیت کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا، اور یہودیت بھی اس کا ایک حصہ بن گئی ہے، بنابریں مغرب اسلام تعارف کی تاریخ اسلام اور یہودی-عیسائی تعارف کی تاریخ سے شروع کرنی پڑے گی، اور یہ تعارف اسلام کے ابتدائی دور ہی میں شروع ہو جاتا ہے۔ یہ تعارف بالعموم[۲] مخاصمانہ و مخالفانہ ہے، اور تعارف کی بجائے تصادم کہے جانے کے لائق ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو اپنے لیے خطرہ تصور کرتے ہوئے ان سے دشمنی کا رویہ اپنا لیا۔ یہودیوں کی مخالفت حضور ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے بعد مدینہ کے مضافات میں بسنے والے یہودی قبائل بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ کی بدیہی تاریخی

---

۱۔ See for example: Bernard Lewis, *Islam and the West* (Oxford: Oxford University press, 1993), 3.

۲۔ یہود و نصاریٰ میں سے بعض افراد نے ابتدائی دور ہی میں مثبت، حقیقت پسندانہ اور مفاہمانہ رویہ بھی اپنایا اور دائرہ اسلام میں بھی داخل ہوئے، مثلاً، ورقہ بن نوفل، اصحمہ نجاشی، عبد اللہ بن سلام وغیرہ؛ لیکن ایسی مثالیں استثنائی ہیں۔

اسلام مخالف سرگرمیوں سے واضح ہے۔ انھوں نے حضور ﷺ کی رسالت کا انکار کیا اور آپ کی مخالفت پر کمر کس لی۔ جہاں تک مسیحیت کا تعلق ہے تو اس کا رویہ بھی کچھ مختلف نہ تھا۔ اس نے بھی ابتدا ہی سے اسلام اور نبی اکرم ﷺ کو اپنا دشمن قرار دے لیا۔ اس طرح یہود و نصاریٰ اور اسلام کا ابتدائی تعارف بالبداہت تصادم کی نوعیت کا حامل ہے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد حضور ﷺ نے ریاستِ مدینہ کی بنا رکھی تو امن و استحکام کی خاطر یہودِ مدینہ سے امن معاہدے کیے، لیکن قبائلِ یہود نے ان عہدوں کا پاس نہ کیا۔ ان میں جس کو جب موقع ملتا ریاستِ مدینہ کے وجود کو خطرے میں ڈال دیتا، سازشیں کرتا، غداری کا ارتکاب کرتا۔ چناں چہ نبی ﷺ کو مجبوراً ان کے خلاف کاروائیاں کرنا پڑیں اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ سب اپنے اپنے انجام کو پہنچے۔[1] مسیحیوں کے اسلام سے عہدِ نبوی میں تصادم یا مخاصمانہ تعارف کے حوالے معرکۂ موتہ اور غزوۂ تبوک ہیں۔[2] ان معرکوں میں اگرچہ معروف معنی میں کسی فریق کو بھی فتح یا شکست نہیں ہوئی، لیکن ان کے نتیجے میں اسلامی و رومی سلطنتیں متقابل و متحارب قوتوں کی شکل اختیار کر گئیں۔

عہدِ خلفاے راشدین اور بعد کے مسلم ادوارِ حکومت میں رومی و اسلامی سلطنتوں میں وسیع پیمانے پر جنگیں ہوئیں۔ ان جنگوں کے نتیجے میں رومی عیسائیوں کو اپنے بہت سے علاقوں اور صوبوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں شام، مصر اور فلسطین کے وسیع رومی مقبوضات مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ساحلِ فونکس کی بحری جنگ کے نتیجے میں رومی بحری قوت ٹوٹی، اور بحر روم پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں عقبہ بن نافع (۶۲۲ء-۶۸۳ء)[3] نے رومی

---

۱۔ غزواتِ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کی تفصیلات کتب تاریخ و سیر میں پوری پوری تفصیلات کے ساتھ محفوظ ہیں۔ ان کا مطالعہ و تجزیہ و تجزیہ کرنے والا ہر حقیقت پسند قاری اس امر واقعہ کو محسوس کر سکتا ہے کہ یہ غزوات یہودیوں کی امن دشمنی، سازشوں اور غداریوں کا نتیجہ تھے۔

۲۔ ان معرکوں کو مغربی اہلِ قلم مسلمانوں کی طرف سے جارحانہ اقدام گردانتے ہیں، لیکن ان کا تجزیہ اس حقیقت کو واشگاف کرتا ہے کہ ان کے اسباب رومیوں نے پیدا کیے تھے۔

۳۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید (۶۴۷/۲۶ھ ء-۶۸۳ء/۶۴ھ) کے عہدہائے حکومت کے معروف اموی جرنیل۔ المغرب (موجودہ الجزائر، تیونس، لیبیا، مراکو، شمالی افریقہ) کی فتوحات کا آغاز کیا۔

سلطنت کی افریقی ریاستوں کو زیر کیا۔ ولید بن عبد الملک (۶۶۸ء-۷۱۵ء)[۱] کے عہد میں میں طارق بن زیاد (۶۷۰ء-۷۲۰ء)[۲] نے راڈرک (Roderic، ۶۸۷ء- ۷۱۲ء)[۳] کو تاریخی شکست سے دوچار کر کے سپین کو اسلامی قلم رو میں شامل کر دیا۔ دسویں صدی عیسوی تک آدھا عالم عیسائیت مسلمانوں کے دائرہ اختیار میں آ چکا تھا۔ سلجوقیوں کے دور میں مسلم قوت توڑنے کے لیے بازنطینی شہنشاہ الیگزیئس کامنینس (Alexios I Komnenos، ۱۰۵۶ء-۱۱۱۸ء)[۴] نے ۱۰۷۱ء میں مسلم سلجوقی سلطنت کے آرمینیہ پر حملہ کر دیا، مگر سلجوقی سلطان الپ ارسلان (۱۰۲۹ء-۱۰۷۲ء)[۵] سے منازی کرت (Manazikert)[۶] کے معرکے میں شکست سے دوچار ہوا اور نتیجتاً بازنطینی سلطنت کا نہایت اہم خطہ ایشائے کوچک بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

مسلمانوں کا یہ غیر معمولی نفوذ مغرب اور عالم عیسائیت میں ایک شدید چیلنج کے طور پر لیا گیا۔ کلیسا- جس نے مغرب کو عیسائی بنانے کے بعد مختلف عوامل کے تحت نہایت مضبوط مذہبی و سیاسی اقتدار حاصل کر لیا تھا- مسلم اثر و نفوذ پر انتہائی اضطراب و انتقام کی کیفیت میں تھا۔ اسے اپنے تفوق کو چیلنج کرنے والے وہ مغربی افراد بھی گوارہ نہ تھے، جو دامن عیسائیت سے وابستہ رہتے ہوئے چرچ کے نظریات سے اختلاف رکھتے ہوں اور اس کے لیے خطرہ پیدا

---

۱۔ بنو امیہ کا چھٹا خلیفہ۔ عرصہ اقتدار ۷۰۵ء-۷۱۵ء ہے۔ ولید کا عہد مسلم فتوحات کے لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے زمانے زمانے میں مسلم سلطنت کی سرحدیں سندھ، چین، ایشیائے کوچک اور سپین و پرتگال تک پہنچ گئی تھیں۔

۲۔ مشہور اموی جرنیل جس نے ولید کے زمانے میں ۷۱۱ء میں ہسپانیہ (سپین) کو فتح کیا۔ اسی نے جبل الطارق (جبرالٹر) پر شجاعت و بہادری اور جان توڑ جنگ کی غرض سے مسلم فوجیوں کو کشتیاں جلانے کا حکم دیا تھا۔

۳۔ ہسپانیہ کا گوتھ (Goth) حکمران۔ گوتھ نسل کا آخری حکمران بتایا جاتا ہے۔ اس کی تاریخی شخصیت کافی مبہم ہے۔

۴۔ عرصۂ اقتدار ۱۰۸۱ء-۱۱۱۸ء ہے۔

۵۔ عرصہ اقتدار ۱۰۶۳ء-۱۰۷۲ء ہے۔ الپ ارسلان کے دور میں مسلم سلجوقی سلطنت کی حدود میں بہت وسعت ہوئی۔

۶۔ موجودہ ترکی کے صوبے موس (Mus) کا قصبہ، جو ترکی میں ملازی گرت (Malazigirt) کہا جاتا ہے۔

کر سکتے ہوں[1]، وہ ان لوگوں کو کیسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر سکتا تھا، جن کا نہ صرف یہ کہ چرچ سے کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ وہ اس کی ضد تھے، اور پھر ان کا خطرہ بھی کوئی موہوم یا امکانی خطرہ نہ تھا، عملاً مغرب اور مسیحیت کی چولیں ہلانے والا تھا۔ چناں چہ چرچ اسلام اور اور مسلمانوں کے خلاف سخت اقدام کے درپے ہو گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدید پروپیگنڈہ اور ان پر غلبہ پانے کے لیے سخت معرکہ آرائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اسلام اور مسلمانوں کو زور شور سے مشرک، دشمنِ خدا اور دشمن مسیح و مسیحیت باور کرایا گیا۔ مشرک، شیطان اور اس کے پجاری، وحشی، ناپاک، حرامی، جہنمی، برے انسانوں کے لیے جو نام تخیل میں آ سکتے تھے، بے دھڑک مسلمانوں کو ان سے موسوم کر دیا گیا۔[2] مسلمانوں کی کامیابی کو حضرت مسیح کی توہین اور عیسائیوں کی فتح کو جنابِ مسیح کی عزت و عظمت سے تعبیر کیا گیا۔ اس کے باوجود کہ مسیحیت کو بنیادی طور پر جنگ اور لڑائی سے کچھ سروکار نہ تھا، اور جنابِ مسیح کی تعلیمات میں سختی کا جواب بھی سختی سے دینا ممنوع تھا؛ ایک گال پر تھپڑ مارنے والے کو دوسرا گال پیش کرنے کا حکم تھا، چرچ نے نہ صرف جنگ کا جواز پیدا کیا بلکہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کو مقدس جنگ اور خداوندِ یسوع کی خوشنودی کا ذریعہ بنا دیا، یہاں تک کہ جناب مسیح اور مریم صدیقہ کو بھی جنگ میں اتار لیا گیا۔[3] اور صلیب کے تحت

---

۱۔ مغرب میں کلیسائی نظریات سے اختلاف کو بدعت (Heresy) قرار دے کر جس ظالمانہ انداز سے دبایا جاتا تھا اس کا نوحہ جدید مغربی مغربی مورخین کثرت سے کہتے آ رہے ہیں۔ نشاۃ ثانیہ سے قبل کی تاریخ مغرب سے بحث کرنے والی شاید ہی کوئی کتاب اس سے خالی ملے۔ مثال کے طور پر دیکھیے:

Henry Pirenne, *A history of Europe (Routledge Revivals): From invasion to XVI century* (United Kingdom: Taylor & Francis, 2010); R. W. Southern, *Western views of Islam in the middle ages* (Cambridge, Massachusetts : Harvard University press, 1962)

۲۔ واضح رہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے اسلام اور مسلمان کے الفاظ مغرب میں استعمال ہی نہیں کیے جاتے تھے۔ جان وی ٹولن (John V. Tolan) کے مطابق چند مستثنیات کو چھوڑ کر اسلام اور مسلمانوں کے لیے یہ الفاظ سولہویں صدی عیسوی تک استعمال نہیں ہوئے۔ دیکھیے:

John V. Tolan, *Saracens: Islam in the Medieval European Imagination* (New York: Columbia University Press, 2002), xv.

۳۔ قرونِ وسطیٰ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدید مغربی مسیحی نفرت و تعصب اور جنگی جنون پیدا کرنے کی کوششوں کو خود بہت سے مغربی مورخین و مصنفین نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجیے:

شدید معرکہ آرائی شروع کر دی گئی۔ صلیبی جنگیں اسلام کے خلاف مسیحی مغرب کے شدید مذہبی تعصب اور نفرت کا جلی عنوان ہیں۔

معرکہ ملاذی گرت میں الپ ارسلان کے ہاتھوں شکست، مسلم سلجوقی ترکوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ اور اپنے سمٹتے ہوئے اقتدار کے پیش نظر بازنطینی شہنشاہ الیگزیئس نے نے پوپ اربن دوم( Pope Urban II،۱۰۴۲ء-۱۰۹۹ء)[۱] سے مدد کی اپیل کی۔ پوپ نے مغربی اور مشرقی عیسائیت کے مسلکی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے مشترکہ دشمن کی سرکوبی کی غرض سے الیگزیئس کی پکار کا بھرپور جواب دینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنی 27 نومبر ۱۰۹۵ء کی تقریر میں مسلمانوں کے خلاف سخت توہین آمیز زبان استعمال کرتے ہوئے انھیں ایسی ملعون قوم قرار دیا جس نے ارضِ مقدس اور مسیحیوں کی بے حرمتی کی۔ اس نے اہلِ مغرب کو جنت اور گناہوں کی معافی کا یقین دلاتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا اور ارضِ مقدس کو مسلم قبضے سے آزاد کرانے کے لیے اپنے اہلِ خانہ اور جایدادوں کو چھوڑ کر جنگ کے لیے نکل کھڑے ہونے کی ترغیب دی۔ پوپ کی اس صدا کا اثر فوری اور دیرپا تھا۔ دخولِ بہشت کے وعدے سے تحریک پاکر، ارضِ مقدس کی آزادی کے خواب آنکھوں میں سجائے ہزاروں افراد نے پوپ کی صدا پر لبیک کہا اور متعدد صلیبی مہمات ارضِ مقدس کو روانہ ہو گئیں۔[۲] انتشار کا شکار مسلمان صلیبیوں کی یلغار کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ فاطمیوں نے کچھ دن محصور رہ کر مزاحمت کی مگر ناکام رہے، اور بیت المقدس صلیبیوں کے قبضے میں آ گیا۔

---

Norman Daniel, *The Arabs and Mediaeval Europe* (London: Longman, 1979);Karen Armstrong, *Muhammad: A western Attempt to Understand* Islam ( London: Orion,1991); Kirby Page, *Jesus or Christianity* ( New York: Doubleday, 1929); David Blanks and ed; *Western Views of Islam in Medieval and Early Modern Europe* Michael Frassetto, (New York: St. Martin's Press,1999)

۱۔ پوپ رہنے کا زمانہ ۱۰۸۸ء-۱۰۹۹ء ہے۔ وجہ شہرت پہلی صلیبی جنگ (۱۰۹۶ء-۱۰۹۹ء) کا آغاز ہے۔

۲Seraphim William Davidson, Pope Urban II's Speech at the Council of Clermont and the Crusades, Accessed, March28, 2014.

http://voices.yahoo.com/pope-urban-iis-speech-council-clermont-and-3683668.html

پہلی صلیبی جنگ کے نتیجے میں ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس پر مغربی غلبے کے حوالے سے جو چیز اس بحث میں زیادہ قابل ذکر ہے، وہ فاتحین بیت المقدس کا مسلمانوں سے رویہ ہے۔ صلیبیوں نے مسلمانوں کو نہایت بے دردی سے قتل کیا۔ مغربی مورخین نے صلیبیوں کی عینی شہادتوں کی بنیاد پر لکھا ہے کہ انھوں نے اس قدر لوگوں کو قتل کیا کہ ان کے گھوڑوں کے گھٹنے خون میں ڈوب رہے تھے۔ سراسن(Saracen)[۱] بوڑھا ہو یا جوان، عورت ہو یا بچہ صلیبیوں کے نزدیک اس کو تہِ تیغ کرنا کسی سعادت سے کم نہ تھا۔ صلیبی فخریہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے جہاں کہیں کوئی سراسن پایا اسے قتل کر ڈالا۔ امن ومحبت کے داعی اللہ کے پیارے رسول، حضرت مسیحؑ، کے نام پر ان کے اپنے شہر کے اندر لاتعداد انسانوں کے صرف قتل ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا، اس امید پر ان کے پیٹ بھی چاک کر دیے گئے کہ ان میں سے سکے ملیں گے۔ عورتوں کی بے حرمتی اور ان کے جسموں سے سکے تلاش کرنے کی داستانیں اس قدر شرمناک ہیں کہ مغرب کے بے باک تذکرہ نگار بھی بیان کرتے پانی پانی ہوئے جاتے ہیں۔[۲]

پہلی صلیبی جنگ اور اس کی کامیابی کے بعد مغرب اور عالمِ اسلام میں جنگوں کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ صلیبیوں نے فتح کے بعد سابق مسلم علاقوں میں متعدد لاطینی عیسائی سلطنتیں قائم کر لی تھیں۔ مسلمانوں میں ان کی بازیابی کا جذبہ پیدا ہوا۔ ۱۱۴۴ء میں موصل کے سلطان عماد الدین زنگی (۱۰۸۵ء-۱۱۴۶ء)[۳] نے اڈیسا (رہا) کی صلیبی مملکت کا خاتمہ کر دیا۔ اڈیسا کی صلیبی مملکت کے خاتمے کے جواب میں پوپ یوجن سوم (Pope Eugene III، ۱۰۸۰ء-۱۱۵۳ء)[۴] کے اعلان پر دوسری صلیبی مہم (۱۱۴۵ء-۱۱۴۹ء) شروع ہوئی، جس کے نتیجے میں فرانس اور جرمنی کے بادشاہوں سمیت صلیبیوں کی ایک بہت بڑی فوج پھر عالمِ اسلام پر حملہ آور ہوئی، مگر یہ مہم بری طرح ناکام رہی۔ ۱۱۶۴ء میں نورالدین زنگی (۱۱۱۸ء-۱۱۷۴ء)[۵] نے انطاکیہ کی صلیبی ریاست کو زیرِ نگیں کیا۔ صلیبیوں اور

---

۱صلیبی جنگوں کے زمانے میں مغرب میں مسلمانوں کے لیے استعمال ہونے والا ایک لفظ یہ بھی تھا، جو دیگر بہت سے الفاظ کی طرح مسلمانوں سے نفرت اور بغض وکینے کی بنا پر انہیں حقیر وذلیل خیال کرتے ہوئے استعمال ہوتا تھا۔ اس لفظ کے ذریعے مسلمانوں کو بدو، صحرا نشیں، چور، ڈاکو، حرامی اور ذلیل وکمتر نسل کے لوگ ظاہر کیا جاتا تھا۔

۲See for details: Daniel, *The Arabs and Mediaeval Europe*, 135-136.

۳موصل کا معروف بہادر اور نیک دل مسلم سلطان۔ عرصۂ اقتدار ۱۱۲۷ء-۱۱۴۶ء ہے۔

۴پوپ رہنے کا عرصہ ۱۱۴۵ء-۱۱۵۳ء ہے۔

۵عماد الدین زنگی کا جانشین۔ عرصۂ اقتدار ۱۱۴۶ء-۱۱۷۴ء ہے۔

مسلمانوں میں معرکہ آرائی جاری رہی۔۔ نورالدین زنگی کے بعد اس کے جانشیں صلاح الدین ایوبی(۱۱۳۸ء-۱۱۹۳ء)[۱] نے صلیبیوں کو پے در پے شکستوں سے دوچار کیا اور ۱۱۸۷ء کو بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضے سے آزاد کرالیا۔ یروشلم پر مسلمانوں کے دوبارہ قبضے سے مغرب میں پھر ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی۔ ۱۱۸۹ء-۱۱۹۲ء کے دوران تیسری صلیبی جنگ کے لیے کئی یورپی ممالک کے بادشاہ اپنی اپنی سپاہ لے کر نکلے۔ سال بھر زور دار جنگ رہی، بیت المقدس تو واپس نہ مل سکا، البتہ اس مہم میں صلیبیوں نے قبرص، صقلیہ اور عکا وغیرہ علاقوں کو اپنے اقتدار کا حصہ بنا لیا۔ تیسری صلیبی جنگ یروشلم حاصل نہ کرسکی تو، چوتھی جنگ کے لیے مہم چلی مگر یہ مہم باہمی اختلاف اور پھوٹ کا شکار ہوگئی۔ اس نے مسلمانوں اور یروشلم کو فتح کرنے کی بجائے ۱۲۰۴ء میں مشرقی عالمِ عیسائیت کے پایہ تخت قسطنطنیہ کو تاراج کرڈالا۔ چوتھی صلیبی جنگ بھی ہدف کے حصول میں ناکام رہی تو براہ راست پوپ کی کمان میں ۱۲۱۷ء تا ۱۲۲۱ء کے عرصے میں پوپ تو پوپ انوسینٹ سوم(Pope Innocent III، ۱۱۶۰ء-۱۲۱۶ء)[۲] اور پوپ آنریس سوم(Pope Honorius III، ۱۱۵۰ء-۱۲۲۷ء)[۳] کی تحریک واعانت پر پانچویں صلیبی مہم چلی، مگر یہ بھی مقصد حاصل نہ کرسکی۔ اس کا نمایاں نتیجہ حملۂ تاتار کے اندیشے کے تناظر میں وقت کے سلطانِ مصر الملک العادل (۱۱۴۵ء-۱۲۱۸ء)[۴] کے ساتھ اہلِ مغرب اور عالمِ اسلام کا آٹھ سال تک باہم جنگ نہ کرنے کا معاہدہ تھا۔ ۱۲۲۸ء تا ۱۲۲۹ء کے دوران جرمن بادشاہ فریڈرک دوم (Frederic II، ۱۱۹۴ء-۱۲۵۰ء)[۵] کی سربراہی میں چھٹی صلیبی مہم نکلی۔ فریڈرک نے شام اور مصر کے اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے الملک الکامل (۱۱۷۷ء-۱۲۳۸ء)[۶] کو ایک معاہدے پر مجبور کرلیا، جس کے تحت مسجدِ اقصیٰ کے علاوہ یروشلم اور ناصرہ و بیت الحم وغیرہ علاقے فریڈرک کو مل

---

۱۔ عرصۂ اقتدار ۱۱۷۴ء-۱۱۹۳ء ہے۔ ایوبی کو اپنی بہادری، فتوحات، رواداری، عدل وانصاف، صلیبیوں کی شکست اور بیت المقدس کو صلیبی قبضے سے آزاد کرانے کے حوالے سے اہلِ اسلام میں غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل ہے۔

۲۔ پوپ رہنے کا عرصہ ۱۱۹۸ء-۱۲۱۶ء ہے۔

۳۔ پوپ رہنے کا عرصہ ۱۲۱۶ء-۱۲۲۷ء ہے۔

۴۔ صلاح الدین ایوبی کا بھائی۔ پورا نام الملک العادل سیف الدین ابوبکر بن ایوب ہے۔

۵۔ عالمِ عیسائیت کا ایک مقدس رومی شہنشاہ۔ اس کا شمار طاقت ور ترین مقدس شہنشاہوں میں ہوتا ہے۔ عرصۂ اقتدار ۱۲۲۰ء-۱۲۵۰ء ہے۔

۶۔ ناصر الدین ابوالمعالی محمد۔ عرصۂ اقتدار ۱۲۱۸ء-۱۲۳۸ء ہے۔

گئے، لیکن یہ قبضہ زیادہ عرصہ برقرار نہ رہ سکا۔ مصر کے ایوبی حکمران الملک الصالح (۱۲۰۵ء-۱۲۴۹ء)[۱] نے ۱۲۴۴ء میں میں خوارزمیوں کو آمادہ کر کے صلیبی افواج کو پھر شکست سے دوچار کر دیا اور فریڈرک کے ہاتھوں کھویا ہوا یروشلم پھر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۲۴۸ء تا ۱۲۵۴ء ساتویں صلیبی جنگ کا دور ہے۔ ۱۲۴۹ء-۱۲۵۰ء کے دوران فرانس کے بادشاہ لوئیس نہم (Louis IX، ۱۲۱۴ء-۱۲۷۰ء)[۲] نے مصر کے منصورہ پر حملہ کر دیا، مگر مسلمانوں کے محاصرے میں آ کر قید ہوا اور بھاری تاوان دے کر آیندہ مسلمانوں کے خلاف جنگ نہ کرنے کا وعدہ کر کے رہائی ملی۔[۳] مسلمانوں سے رہائی کے بعد لوئیس نہم عکا (Acre) کی مسیحی مملکت میں کئی سال تک جنگ کی آگ بھڑکاتا رہا، بالآخر کوئی کامیابی حاصل کیے بغیر ۱۲۵۴ء میں فرانس لوٹ گیا، لیکن پھر بھی چین سے نہ بیٹھا اور ۱۲۷۰ء میں آٹھویں صلیبی جنگ شروع کر دی۔ اس بار اس کا ہدف تیونس اور شمالی افریقہ کے مسلمان تھے۔ یہاں لوئیس نہم وبا سے مر گیا، البتہ اس کے بیٹے اور بھائی نے تیونسی سلطان المستنصر (۱۲۲۸ء-۱۲۷۷ء)[۴] کو باج گزار بنا لیا۔ لوئیس کے بعد افریقی مہم میں اس کا ہم رکاب انگلستان کا بادشاہ ایڈورڈ اول (Edward I، ۱۲۳۹ء-۱۳۰۷ء)[۵] نویں صلیبی مہم (۱۲۷۱ء-۱۲۷۲ء) کے ساتھ نکلا، مگر ارضِ مقدس کے حصول میں ناکام رہا۔

اس دوران مصر سے ممالیک نے بہت زیادہ قوت حاصل کر لی اور ناقابلِ تسخیر ہو گئے۔ ممالیک نے نہ صرف صلیبیوں کو مسلم ممالک پر چڑھ دوڑنے سے روکے رکھا بلکہ تیرہویں صدی کے آخر تک شام کے صلیبی بقایاجات کو اسلامی قلم رو کا حصہ بنا دیا۔ بعد ازاں چودھویں اور پندرھویں صدی میں صلیبیوں کا عثمانی مسلمان ترکوں سے مقابلہ رہا۔ بہت سی صلیبی مہمیں نکلیں لیکن ترکوں نے صلیبیوں کو شکستوں سے دوچار کرتے ہوئے بازنطینی سلطنت کے

---

۱۔ پورا نام الملک الصالح نجم الدین ایوب ہے۔ الملک الصالح کا عرصۂ اقتدار ۱۲۴۰ء-۱۲۴۹ء ہے۔

۲۔ عرصہ اقتدار ۱۲۲۶ء-۱۲۷۰ء ہے۔

۳۔ ۱۲۴۹ء-۱۲۵۰ء کا یہ عرصہ الملک العادل کی وفات اور اس کے بیٹے الملک المعظم غیاث الدین توران شاہ متوفّٰی ۱۲۵۰ء کی مختصر حکمرانی کا ہے۔ اس عرصے میں ساتویں صلیبی جنگ کے لیے چڑھائی کرنے والے صلیبیوں کی شکست کے حوالے سے الملک العادل کی بیوہ شجر الدرر (م ۱۲۵۷ء) نے نہایت اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس نے منصورے کے دفاع کے لیے بیبرس کے منصوبے سے اتفاق کیا، جس کے نتیجے میں صلیبیوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ (اس وقت کا کمانڈر بیبرس بعد میں حکمران بنا، اس کا پورا نام الملک الظاہر رکن الدین بیبرس البندقداری، زمانۂ حیات ۱۲۲۳ء-۱۲۷۷ء اور عرصۂ اقتدار ۱۲۶۰ء-۱۲۷۷ء ہے)

۴۔ حفصیون خاندان (زمانۂ اقتدار ۱۲۲۹ء-۱۵۷۴ء) کا چوتھا بادشاہ۔ اس کا عرصۂ اقتدار ۱۲۴۹ء-۱۲۷۷ء ہے۔

۵۔ عرصہ اقتدار ۱۲۷۲ء-۱۳۰۷ء ہے۔

بہت سے علاقے اسلامی قلم رو میں شامل کر دیے، یہاں تک کہ سلطان محمد فاتح (۱۴۳۲ء-۱۴۸۱ء)[۱] نے ۱۴۵۳ء میں مغربی اور مشرقی عالمِ عیسائیت کی مشترکہ قوت کو شکست دے کر بازنطینی سلطنت کا پایہ تخت قسطنطنیہ بھی فتح کر لیا۔[۲]

ادھر مشرق میں عثمانی ترکوں کے تحت مسلمان مغرب کے خلاف کامیابیاں حاصل کر رہے تھے اور ادھر سپین میں مسلمان اہلِ مغرب کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہو رہے تھے، یہاں تک کہ ۱۴۹۲ء میں سپین سے مسلم اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

اس امر میں تو ظاہر ہے کہ مشرق و مغرب میں نقطہ نظر کا اختلاف ہے کہ مغرب اور اسلام کی اس حربی تاریخ میں اصل قصوروار کون ہے۔ مسلمان مغرب کو جب کہ اہلِ مغرب مسلمانوں کو ذمے دار ٹھراتے ہیں۔ اگرچہ اس معاملے میں اہلِ مغرب کا موقف انتہائی کمزور ہے اور اس کا اعتراف بہت سے مغربی مورخ کرتے ہیں، مگر ہمیں یہاں بحث کو ایک دوسرے انداز سے لینا ہے، اور وہ یہ کہ کشمکش کے اس دور میں فریقین نے ایک دوسرے کی جو مخالفت کی اس میں مذہبی تناظر میں بہر حال مغرب کے قصوروار ہونے کا انکار ممکن نہیں۔ اس لیے کہ مغرب نے اسلام اور پیغمبر اسلام کو جس انداز سے مغرب کے سامنے پیش کیا، مسلمانوں نے حضرت مسیحؑ اور آپ کے مذہب کو ہرگز اس انداز سے مسلم عوام کے روبرو پیش نہیں کیا۔ اور صلیبی جنگوں اور اس کے نتیجے کی طویل مغرب اسلام کشمکش مغرب کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اسی مذہبی نفرت کا شاخسانہ ہے۔ اس طرح نفرت اور دشمنی اور اس کی آب یاری کا ذمے دار واضح طور پر مغرب ٹھرتا ہے۔

بعد کے ادوار میں جب صلیبی مہمات اور کشاکش کی پہلی صورت باقی نہ رہی تو بھی مغرب صلیبی اثرات سے نکلنے کو تیار نہ ہوا۔ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرنا اور انھیں نیچا دکھانا گویا اس نے اپنے اوپر فرض ٹھرا لیا۔ انھوں

---

۱۔ عثمانی سلطان۔ اپنی فتوحات بالخصوص فتح قسطنطنیہ کے حوالے سے غیر معمولی شہرت رکھتا ہے۔ عرصۂ اقتدار ۱۴۴۴ء-۱۴۴۶ء اور ۱۴۵۱ء-۱۴۸۱ء ہے۔

۲۔ صلیبی جنگوں کے تفصیلی مطالعے کے لیے دیکھیے:

Hans Eberhard Mayer , *The Crusades* (Oxford: Oxford University Press, 1988); Carole Hillenbrand, *The Crusades: Islamic Perspectives* (Edinburgh: Edinburgh University Press, 1999); Thomas Asbridge, *The First Crusade: A New History: The Roots of Conflict between Christianity and Islam*, (Oxford University Press, 2005)

نے عیسائیوں میں اسلام اور مسلم دشمنی کو زندہ رکھنے کے لیے یہ موقف اپنا لیا کہ صلیبی جنگیں ابھی بھی ختم نہیں ہوئیں۔ مسلمانوں کے خلاف ہر اقدام کو مغرب میں صلیبی جنگ کے تسلسل سے تعبیر کیا گیا۔[۱] یوں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک دائمی جنگ چھیڑ دی گئی۔ مسلمانوں سے بدلہ لینے کی خواہش ہر دور میں ایک تسلسل کے ساتھ موجود رہی اور اب بھی موجود ہے۔[۲] مغربی اہلِ قلم مغرب اور اسلام میں اس مسلسل جنگ کا واضح اعتراف کرتے ہیں۔۔ ہینڈرک وان لون(Hendrik Van Loon،۱۸۸۲ء-۱۹۴۴ء)[۳] لکھتا ہے:

> ...the followers of the two great teachers who were such close relatives have always recognized each other with bitter scorn and have fought a war which has lasted more than twelve centuries and which has not yet come to an end.[4]
>
> ...دو بڑے معلمین کے پیروکار، جو نہایت قریبی رشتہ دار بھی تھے، نے ہمیشہ ایک دوسرے کو بنظرِ حقارت دیکھا اور ایک ایسی جنگ لڑی، جو بارہ سو سال تک جاری رہی اور ہنوز جاری ہے۔

---

۱۔ مغربی نفسیات اور اذہان میں اسلام دشمنی کی گہرائی کا اندازہ اس سے لگایے کہ اکیسویں صدی میں جب کہ مغرب کہ طرف سے مغرب اسلام قدیم رقابت کو ختم کرنے کے لیے بہت سی موثر آوازیں اٹھ رہی ہیں اور مغرب نشاۃِ ثانیہ کے بعد اپنی سوسائٹی کے من حیث الکل تبدیل ہو جانے کا دعوی کرتا اور قدیم مذہبی تعصبات کو جہالت اور عہدِ جدید کے تقاضوں سے چشم پوشی باور کراتا ہے، جارج بش نے نائن الیون کے بعد اس کے ملزموں سے بدلہ لینے کی مہم کو صلیبی جنگ(Crusade) سے تعبیر کر دیا تھا۔ اگرچہ شدید مسلم ردعمل پر بعد میں اس نے یہ الفاظ واپس لے لیے تھے۔

۲۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مصطفی سباعی کا وہ بیان قابل ذکر ہے جس میں انھوں نے پہلی جنگ عظیم میں اتحادی فوجوں کے بیت المقدس پہنچنے پر لارڈ ایلنبی کے اس قول کا تذکرہ کیا ہے کہ: "صلیبی جنگیں ختم ہو گئیں" اور پھر لکھا ہے کہ صلیبی جنگیں اگرچہ فوجی حیثیت سے ختم ہو گئیں تاہم دینِ اسلام اور اس کی تہذیب وحضارت سے متعلق اہلِ مغرب کا مسلمانوں سے تحریری معرکہ ہنوز جاری ہے، اور دینی تعصب کے اثرات اہلِ مغرب کی اسلام سے متعلق تصنیفات میں اب بھی موجود ہیں۔ دیکھیے: الدکتور محمد مصطفی السباعی، السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی (القاھرہ: مکتبہ دارالعروبہ، ۱۹۶۱)، ۳۲۔

۳۔ ڈچ امریکی مورخ اور صحافی۔ بچوں کی کتب کے حوالے سے معروف ہیں۔ ان کی کتاب The story of Mankind کو، جو بہ طورِ خاص بچوں کے لیے لکھی گئی عالمی تاریخ ہے، امریکہ میں بچوں کے لیے لکھے گئے لٹریچر میں ممتاز حیثیت حاصل ہے۔

۴۔ Handrik Van Loon, *Tolerance* (New York: The Sun Dial Press, 1939), 114.

### نتیجہ بحث

زیر نظر موضوع پر بحث کا حاصل یہ ہے کہ مغرب اور اسلام دنیائے انسانیت کی دو سب سے نمایاں اور متحارب قوتیں رہی ہیں۔ ان کا باہمی تعارف تخالف و تصادم سے عبارت ہے۔ تاریخی ادوار میں یہ تصادم شدت اختیار کرتا رہا۔ اس شدید تصادم اور دشمنی میں نمایاں اور بنیادی کردار مسیحی مغرب کے اہلِ مذہب کا ہے۔ انھوں نے اپنی سوسائٹی میں اسلام اور مسلمانوں کو برائیوں کی جڑ اور خدا و مسیح کے ایسے دشمنوں کے طور پر پیش کیا، جن سے نجات بنیادی مذہبی فریضہ اور دنیوی و اخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔ نتیجتاً مسیحی مغرب اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے یا کم از کم مقہور و مغلوب اور بے اثر بنا دینے کے درپے ہو گیا۔ ایسی صلیبی مہم چلی کہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے پورا مغرب امڈ آیا۔ پہلی صلیبی جنگ میں بیت المقدس قبضے میں لے لیا گیا۔ لیکن مسلمانوں اور ان کی طاقت کا صفایانہ کیا جا سکا، بلکہ کچھ عرصہ بعد مسلمانوں نے بیت المقدس پھر واپس لے لیا۔ اہلِ صلیب اپنے مشن سے پیچھے نہ ہٹے۔ صلیبی جنگیں صدیوں کو محیط ہو گئیں، مگر اسلام اور مسلمان بجائے ختم ہونے کے مزید نمایاں ہو گئے۔ اہلِ مغرب نے پھر بھی سمجھوتا نہ کیا؛ اور جنگ جاری رکھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس جنگ کے طریق اور انداز میں البتہ تنوع آتا گیا۔

مغرب اور اسلام کے درمیان یہ جنگ مختلف حوالوں سے اب بھی جاری ہے۔ البتہ دونوں طرف اس تصادم و تخالف کے خاتمے کی خواہش موجود ہے۔ لیکن اس تصادم میں، جیسا کہ اس مضمون میں کی گئی بحث سے واضح ہے، نہایت ہی بنیادی کردار چوں کہ اہل مغرب کا ہے، اس لیے اس کے خاتمے میں بھی بنیادی کردار اسی کو ادا کرنا پڑے گا؛ اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تاریخی تعصب و دشمنی کے رویے سے نجات حاصل کرے۔ اس ضمن میں اب خود مغرب میں بہت سی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ اہلِ مغرب اگر واقعی اسلام اور مغرب کی باہمی مخالفت کے خاتمے کے خواہش مند ہیں، تو انھیں اپنے ان دانش وروں کی آوازوں پر کان دھرنا ہو گا۔ تاہم یہاں یہ عرض بھی ضروری ہے کہ اسلام کے غیر صحیح فہم کی بنا پر آج کل بعض مسلمانوں میں بھی شدت پسندانہ اور مخالفت برائے مخالفت کرنے والے رویے پیدا ہو گئے ہیں، انھیں بھی قرآن و سنت کی روشنی میں ان کی اصلاح کرنی چاہیے۔ ماضی یا حال کے کسی مسلمان فرد یا گروہ کے کسی غیر اسلامی اقدام کے خواہ مخواہ دفاع کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہی صورت ہے جس سے ایک پرامن دنیا وجود پذیر ہو سکتی ہے، جو اسلام کا مطمح نظر ہے۔